طارق علی شہزاد (پی ایچ ڈی اردو سکالر)
سپروائزر: ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی
کوسپروائزر: ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر

مخطوطہ شناسی کے تقاضے: چند اہم مباحث

A manuscript is any document written by hand. Textual criticism is a method used to determine what the original manuscript says. The process of textual criticism needs much care and a lot of abilities. There are so many problems in textual criticism. A good researcher should have some specific qualities which are helpful for his work. Research of manuscript is a difficult job but these qualities can make this difficult job easy. This article reviews important debates in the art of manuscript reading.

مخطوطہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ 'خ ط' ہے۔ اِس سے مراد ہاتھ سے لکھی ہوئی چیز ہے۔[1] لغوی طور پر ہم اس سے مراد کسی بھی مادی چیز پر ہاتھ سے لکھا ہوا تحریری نمونہ لیتے ہیں۔ نمونے کی تحریر نقل بھی ہوسکتی ہے اور طبع زاد بھی۔ طویل بھی ہوسکتی ہے اور مختصر بھی۔ مخطوطہ سے مراد ہم خطی نسخہ بھی لیتے ہیں یعنی وہ کتاب یا مجموعۂ اوراق جسے کسی صاحبِ قلم نے کتابت کیا ہو۔ بعض محققین نے مخطوطہ کی تعریف کرتے ہوئے اس کی تحریر کے بامعنی ہونے کی بھی شرط لگائی ہے۔ مخطوطے کو انگریزی میں Manuscript کہتے ہیں۔ اس کے تین نام ہیں۔[2]

۱۔ خطی نسخہ
۲۔ مخطوطہ
۳۔ قلمی کتاب

عبدالحمید خان عباسی نے مخطوطہ کے بارے میں اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

''ایسی دستاویز جو خطی ہو یا ٹائپ کی ہوئی ہو(اس میں کاربن کی کاپیاں بھی شامل کی جاتی ہیں۔ اس میں خطوط، تاریں، روزنامچے، رسیدیں، ذاتی حالات، فہرستیں، اجلاس کی روئدادیں، معاہدے، ٹیکس کے ریکارڈز، قانونی سرٹیفکٹ (متعلقہ پیدائش، موت، شادی وغیرہ) ادبی کتب، تقاریر اور دوسری دستاویزات کے اصل مسودات جو شخصیات یا افراد سے تعلق رکھتے ہیں، شامل ہوتے ہیں۔''[3]

مخطوطہ شناسی ایک اہم اور حساس نوعیت کا کام ہے۔ اس کام میں بہت محنت صَرف ہوتی ہے اور صرف بلند پایہ افراد ہی اس کام میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ آج ہم اگر اردو زبان و ادب کے بڑے بڑے ناموں پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ صرف غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل افراد ہی مخطوطہ شناسی میں کامیاب ہو سکے ہیں جن میں حافظ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، امتیاز علی خان عرشی اور رشید حسن خان جیسے گراں قدر نام شامل ہیں۔ مخطوطہ شناسی کے میدان میں اتنے کم لوگوں کا آنا اس وجہ سے ہے کہ زیادہ تر افراد میں وہ

اوصاف موجود ہی نہیں ہوتے جو ایک اچھے مخطوطہ شناس کے لیے لازمی ہیں۔ ان اوصاف کا تفصیلی جائزہ کچھ یوں لیا جا سکتا ہے ۔

ایک اچھے مخطوطہ شناس کے لیے سب سے پہلی خوبی اس کے مزاج کا تحقیقی ہونا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مخطوطہ شناسی کے میدان میں آنا چاہتے ہیں لیکن مزاج کی مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے جو مخطوطہ شناسی کے لیے اولین شرط ہے۔ رشید حسن خاں کے مطابق:

''جو شخص تحقیق مزاج نہیں رکھتا وہ تدوین کا کام بھی انجام نہیں دے سکتا۔ ہمارے سامنے تدوین کے جو اچھے نمونے ہیں ان کو دیکھ کر بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تدوین کے لیے اصولِ تحقیق سے پوری طرح واقف ہونا، اس کا عملی تجربہ اور تحقیقی مزاج کیوں ضروری ہے۔'' [۴]

اسی چیز کو شمیم طارق نے بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''محققین و تدوین میں سب سے اہم مسئلہ مزاجی مناسبت کا ہے۔ اس کے بغیر نہ تو تحقیق کا حق ادا ہوتا ہے اور نہ ہی تدوین کو ٹھوس بنیادیں فراہم ہوتی ہیں۔ ترتیب و تصحیح متن کے لیے موزوں ترین شخص وہ ہے جو آدابِ تحقیق سے پوری طرح باخبر ہو اور اسے تحقیق سے مزاجی مناسبت ہو۔ گویا تحقیق کے لیے علم کا ہونا تو لازم ہے تاہم اس کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ اولین حیثیت مزاجی مناسبت ہی کو حاصل ہے۔'' [۵]

تحقیق کا کام اس نوعیت کا ہے کہ اس کو کوئی عام آدمی نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے ایک خاص تحقیقی رجحان اور میلان کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف وہی آدمی اس میں کامیاب ہو سکتا ہے جس کا مزاجی تحقیقی اور اس کام سے مناسبت رکھتا ہو۔

کسی متن کی تحقیق و تصحیح میں مختلف نسخوں کی قدامت کا تعین بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے وہی شخص عہدہ برا ہو سکتا ہے جو کتابت کے عہد بہ عہد ارتقاء کی تاریخ سے بخوبی واقف ہو۔ ہر عہد میں مختلف خط لکھنے کا رواج رہا ہے۔ مغلوں کے عہد ہی کو اگر دیکھا جائے تو اکبر کے دور میں خط پر ہندو اثرات غالب تھے۔ بعد میں جہانگیر کے دور کے خط میں ہندو اور اسلامی خط دونوں کے نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ شاہجہاں کا دور اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس عہد میں خط بالکل اسلامی انداز کے آنے شروع ہو گئے اور ہندو اثرات کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اچھے مخطوطہ شناس کو ان سب چیزوں کا علم ہونا بہت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں اس کو مشہور خطاطوں کے حالات اور ان کے تذکروں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر مدوّن اہم خطاطوں کے عہد اور ان کے طرز خط سے آشنا ہوگا تو جعل سازی کا شکار ہونے سے محفوظ رہے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ لوگ شہرت حاصل کرنے کے لیے جعلی مخطوطوں کو دوسروں سے منسوب کر دیتے ہیں۔ اگر مخطوطہ شناس فن خط سے شناسا ہوگا تو اس کے لیے دھوکہ سے بچنا آسان ہوگا۔ بقول سیدہ جعفر:

''جن محققین نے قدیم ادب پر تحقیقی کام کیا ہے وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ قدیم دکنی مخطوطات کا پڑھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔ وہ محققین بھی جنھوں نے سالہا سال دکنی ادب پر کام کیا ہے، ان قدیم مخطوطات کی مطالعے میں دِقّت محسوس کرتے ہیں کیونکہ کاغذ کی کہنگی، زبان کی اجنبیت اور خط کی قدامت کے باعث جگہ جگہ ناقطہ سر بگریبان ہو جاتا ہے۔ بعض کاتبوں کو مرکزوں اور شوشوں سے بغض ہوتا ہے اور بعض کاتب کاغذ سے قلم اٹھانا جانتے ہی نہیں۔ بعض نسخوں میں حروف ایک دوسرے میں اتنے گتھے ہوئے اور ایک لفظ دوسرے لفظ سے اتنا پیوست ہوتا ہے کہ ان کی قرآت مشکل ہو جاتی ہے۔'' [۶]

اسی بارے میں پروفیسر نذیر احمد نے یوں توجہ دلائی ہے۔

''اہم قلمی کتابوں کے لکھنے والے اکثر مشہور خطاط ہوتے ہیں۔ خطاطوں سے واقفیت نسخے کی اہمیت کے تعین کی ضامن ہے۔ اگرچہ خطاطوں کے تذکرے کم ہیں اور جو ہیں ان میں صرف مشہور خطاطوں کا ذکر ملتا ہے۔ غیر خطاط ہزاروں کی تعداد میں ایسے ہیں جن کا احاطہ کسی تذکرے میں نہیں ہو سکا ہے۔ پھر بھی ضمناً مشہور خطاطوں کے ضمن میں بعض غیر معروف خطاطوں کا ذکر آجاتا ہے۔ بہرحال یہ تذکرے بہت سود مند ہوتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معمولی کاتب کا لکھا ہوا نسخہ مشہور کاتب کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے۔ اگر ہم خطاطوں کے دور اور ان کے طرز خط سے آشنا ہوں گے تو اس طرح کے جعل کا پردہ فوراً چاک ہو جائے گا۔ غرض قلمی نسخے کی قدر و قیمت کے تعین میں خطاطوں کے تذکروں سے مدد مل سکتی ہے۔''[۷]

تنویر احمد علوی نے بھی خط و املاء کی اہمیت کچھ یوں بیان کی ہے۔

''متن کی تحقیق و تصحیح میں نسخوں کی قدامت کا تعین نہایت اہم مسئلہ ہے۔ جب طرز خط و املاء سے واقفیت نہ ہو تو یہ مسئلہ خاطر خواہ طور پر حل نہیں ہوسکتا۔ ایسے مخطوطے جن پر تاریخ کتابت تحریر ہو اور وہ ہر طرح کے شک و شبہ سے پاک ہوں، بہت محدود ہوتے ہیں۔ بغیر تاریخ اور مشکوک نسخوں کے بارے میں کوئی رائے اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک مختلف ادوار میں املاء اور خط کا جو طرز رائج تھا، اس سے کماحقہٗ شناسائی نہ ہو۔''[۸]

یہی وجہ ہے کہ جن مخطوطہ شناسوں کو تحریر کا علم تھا اور جو مختلف خطوط سے آگاہ تھے، انہوں نے بہترین مخطوطہ شناسی کی ہے اور ان کی تحقیق کو آج بھی معتبر خیال کیا جاتا ہے۔

ہر زبان مختلف ادوار میں مختلف بُنت اور شکست و ریخت سے گزرتی ہے۔ بعض دفعہ اس کام میں چند برس اور بعض دفعہ صدیاں حائل ہوتی ہیں۔ اردو زبان نے بھی کئی منزلیں طے کی ہیں۔ ابتدائی دور میں یہ برج بھاشا سے متاثر تھی۔ ایک دور میں اس نے دکنی زبان کا درجہ پایا اور اس پر دکن کی زبانوں کے اثرات غالب تھے۔ اسی طرح کسی دور میں یہ فارسی کے بہت قریب تھی۔ گوجری ادب کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ایک عہد ایسا بھی تھا جب اردو زبان پر گجرات کی زبانوں کے اثرات غالب تھے۔ ایک اچھے مخطوطہ شناس کو زبان کے مختلف عہد میں ہونے والے ارتقاء سے واقفیت ہونی چاہیے۔ اس کو لسانیات کا علم ہونا چاہیے کیونکہ اس کو زبان کا جتنا اچھا علم ہوگا وہ اتنا ہی اچھا مخطوطہ شناس بن کر ابھرے گا۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور اردو کے ایک اہم مخطوطہ شناس تھے اور انہوں نے لسانیات کا باقاعدہ علم سیکھا تھا۔

''ڈاکٹر زور نے لسانیات کی یورپ میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی اس لیے الفاظ کی قدیم شکلوں، عہد بہ عہد تبدیلیوں اور لسانی تغیرات کو سمجھنا ان کے لیے دشوار نہ تھا۔''[۹]

اسی طرح حافظ محمود شیرانی بھی ایک نامور مخطوطہ شناس تھے اور لسانیات کے علم کی وجہ سے ان کو اپنے کام میں زیادہ مہارت حاصل تھی ۔ رشید حسن خان کی مثال ہمارے سامنے ہے جو ایک عمدہ مخطوطہ شناس اور بہترین ماہر لسانیات تھے۔ اس وجہ سے ان کے کام اور قیاسی تصحیح کو زیادہ قرینِ قیاس سمجھا جاتا ہے۔

ہر دور میں کتابت کے لیے مختلف چیزیں استعمال ہوتی رہی ہیں۔ ہر دور میں استعمال ہونے والا کاغذ اور روشنائی دوسرے عہد کے کاغذ اور روشنائی سے الگ ہوتے ہیں۔ ایک اچھا مخطوطہ شناس وہ ہوتا ہے جس کو علم ہو کہ کون سا کاغذ مخطوطے میں استعمال ہوا ہے، کس روشنائی سے لکھا گیا ہے اور ورق کس طرح سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ مولانا امتیاز علی عرشی نے فرہنگ غالب مرتب کرتے

وقت اس کے مقدمہ میں مخطوطے کے کاغذ اور روشنائی کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک مکمل مخطوطہ شناس تھے اور ان کو مخطوطہ کے کاغذ اور روشنائی کے بارے میں مکمل علم تھا۔

''اصلی قلمی نسخہ گہرے بادامی رنگ کے کشمیری کاغذ پر دیوناگری اور نستعلیق دونوں خطوں میں لکھا ہوا ہے۔ چونکہ دیو ناگری اوپر اور نستعلیق نیچے ہے اس لیے کتاب الٹے ہاتھ سے شروع کی گئی ہے۔ نظموں کو زبان او رمضمون کے لحاظ سے کئی حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے اور ہر حصے کے ورقوں پر نئے سرے سے ہندسے ڈالے ہیں اور ہر ایک کے شروع صفحے پر شنگرفی روشنائی سے صرف نستعلیق خط میں عنوان لکھ دیا گیا ہے۔ اصل شعر کالی روشنائی سے اور ان کے عنوانات شنگرفی سے تحریر کئے گئے ہیں۔ شاید کاغذ اچھی بناوٹ کا نہ تھا ورنہ سو ڈیڑھ سو برس میں اتنا بوسیدہ نہ ہوتا کہ مڑتے ہی ٹوٹ کر الگ ہوجا تا ہے۔'' [۱۰]

ڈاکٹر نذیر احمد نے کاغذ اور روشنائی کی ضرورت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

''کاغذ و سیاہی تحقیق متن کے امور ہیں جن سے واقفیت سے تحقیق میں مدد ملتی ہے۔ سیاہی کی تیاری بڑا مشکل کام خیال کیا جاتا ہے۔ اس کام میں برسوں تجربہ اور آزمائش کی جاتی ہے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ۸سو،۹ سو سال کے پرانے نسخے بھی اسی طرح دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ ان پرانی سیاہیوں کا مقابلہ آج کل کی سیاہی سے کیا جائے تو ان قدیم فنکاروں کی دقت نظر کی داد دینا پڑتی ہے۔ یہی حال پرانے کاغذوں کا ہے۔ بعض کاغذ ایسے اچھے ہوتے ہیں کہ ہزار سال کی مدت کے بعد آج بھی وہ نئے معلوم ہوتے ہیں۔ کاغذ و سیاہی کی مختلف اقسام سے واقفیت نسخے کی قدامت و اہمیت متعین کرنے میں بڑی مفید ہوتی ہے۔' [۱۱]

اسی لیے ایک اچھے مخطوطہ شناس کے لیے کاغذ اور روشنائی کا علم بہت ضروری اور اہم تصور کیا جاتا ہے ورنہ وہ مخطوطہ شناسی کے گنجلک عقدے وا کرنے کا قابل نہیں ہو سکے گا۔

اردو میں تدوین کے کام کا زیادہ تر حصہ شاعرانہ کلام پر مبنی دکھائی دیتا ہے۔ اس لیے اگر مدون نثر کے میدان کا شاہسوار ہو بھی تو اس کے لیے فن شعر پر عبور رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ بقول واصف لطیف :

''اردو میں تدوین کے لیے منظومات میں زیادہ تر دیوان وکلیات اور اس کے بعد مرثیے یا کوئی طویل مثنوی چنی جاتی ہے۔ نظم کی مختصراً اصناف دیوان یا کلیات ہی کے تحت آتی ہیں۔'' [۱۲]

مدوّن کو شعر وسخن کے تمام رموز سے واقفیت ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کو مختلف بحور، قوافی اور عروض وغیرہ کا علم بھی ہونا چاہیے۔

ہر مخطوطہ کا ایک مکمل تاریخی پس منظر ہوتا ہے۔ اس کو ایک خاص عہد میں لکھا جاتا ہے اور ایک خاص دور میں اس کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ اچھا مخطوطہ شناس وہ ہوتا ہے جس کو ہر مخطوطہ کے تاریخی پس منظر سے مکمل آگاہی ہو۔ وہ جانتا ہو کہ مخطوطہ کس عہد سے متعلق ہے اور اس کے بارے میں کیا معلومات پڑھنے والوں کے سامنے رکھنی ہیں۔ مولانا امتیاز علی خان عرشی کے مخطوطہ نادراتِ شاہی کو دیکھتے ہیں جس میں انہوں نے بہت تفصیل کے ساتھ مخطوطہ کا تعارف کروایا ہے اور اس عہد کا نقشہ کھینچا ہے جب غلام قادر روہیلہ نے شاہ عالم ثانی کی آنکھیں نکالی تھیں۔

''اپنی بے عزتی کا انتقام غلام قادر نے اس طرح لیا کہ سب شہزادوں اور شہزادیوں کو برسرِ عام کھلے منہ نچایا اور شاہ عالم کو زبردستی یہ منظر دکھایا تا کہ انہیں اپنی پچھلی حرکتوں کی یاد سے عبرت ہو۔ اگر یہ ڈرامہ اسی حد تک پہنچ کر ختم ہو جاتا تب بھی بہت دردناک تھا لیکن غلام قادر خاں کا جذبۂ انتقام جوش پر تھا۔ اس نے ۷ ذیقعد سنہ ۱۲۰۲ھ (۱۰ اگست ۱۷۸۸ء) کو دیوانِ عام میں بلا کر بادشاہ سے روپیہ طلب کیا اور بادشاہ کے انکار پر انہیں نیچے گرا کر پیش قبض سے آنکھیں نکال لیں۔''

ایک اچھے مخطوطہ شناس کو چاہیے کہ وہ تدوین کرتے وقت سب سے پہلے اس مخطوطہ کا مکمل تعارف پیش کرے۔ اس سے نہ صرف پڑھنے والوں کو آسانی ہوگی بلکہ تدوین کردہ مخطوطہ کی افادیت بھی بڑھ جائے گی۔

ہر دور میں ادب کی روایت الگ ہوتی ہے۔ ہر دور اپنے ادب پر مختلف اثرات مرتب کرتا ہے جس سے تدوین کرنے والے کو آگاہ ہونا ضروری ہے۔ واصف لطیف اس بارے میں رائے دیتے ہیں:

''مدوّن کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جس مصنف یا شاعر کی کتاب کی تدوین کر رہا ہے اس کے دور کے ادبی، سماجی، معاشی، معاشرتی، لسانی، سیاسی اور مذہبی حالات سے بھرپور واقفیت رکھتا ہو اور روایت و درایت کے اصولوں پر پرکھ کر بات کی نشاندہی کرے اور قلمکار کے حیات وممات، بودوباش، عادات و خصائل، خدمات و اعترافات، دشمنوں، دوستوں، نظریات وتفکرات کے بارے میں مکمل اور ٹھوس آگہی رکھتا ہو۔'' [۱۳]

ایک اچھے مخطوطہ شناس کو ہر دور کی ادبی روایات سے آگاہی ہونی چاہیے تا کہ مخطوطے کو اس کے پس منظر میں دیکھ سکے اور تدوین کر سکے۔

مخطوطہ شناسی کا ایک اہم حصہ تنقیدِ متن ہے۔ متن پر تنقید سے مراد مخطوطے کی تحریر کا جائزہ لینا اور اس کو مرتب کرنا ہے۔ اس کا مقصد مخطوطے کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنا ہوتا ہے چاہے اس میں جتنا بھی وقت صرف ہو اور جتنی بھی محنت لگ جائے۔ خلیق انجم کے مطابق:

''متنی تنقید کا اصل مقصد حتی الامکان متن کو اصل روپ میں دوبارہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اصل روپ سے مراد وہ روپ ہے جو متن کا مصنف اپنی تحریر کو دینا چاہتا ہے۔ یعنی اگر متنی نقاد کو مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ملا ہے تو اسے متنی نقاد من وعن ہی شائع نہیں کر سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ مصنف سے کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہوں یا کچھ الفاظ دوبارہ لکھ دیئے گئے ہوں یا اس قسم کی کوئی اور غلطی ہوئی ہو۔ ایسی صورت میں متنی نقاد کا فرض ہے کہ متن کو ان غلطیوں سے پاک کرے۔'' [۱۴]

متنی تنقید کو اس لحاظ سے بہت اہمیت حاصل ہے مخطوطے پر کی جانے والی ساری محنت اس مرحلے پر وصول ہوتی ہے۔ اگر مخطوطہ شناس اس کام کو بخیر وخوبی کر لے تو اس کے کام کے معیار کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

ایک اچھا مخطوطہ شناس وہ ہوتا ہے جو صرف اپنے متعلقہ علوم سے ہی واقفیت نہ رکھتا ہو بلکہ اس کو دیگر علوم سے بھی واقفیت ہو۔ گیان چند کے مطابق:

''محقق کو ادبی علوم سے واقفیت ہونا چاہیے۔'' [۱۵]

اسی بات کو ڈاکٹر عطش درانی نے یوں بیان کیا ہے۔

''ان میں اصولِ تنقید، علمِ عروض، تاریخ گوئی، علمِ بیان اور علمِ قافیہ، لسانیات یعنی صوتیات وغیرہ آتے ہیں۔ کسی کا

کلام مدوّن کرنا ہو تو عروض کی واقفیت بطورِ خاص ضروری ہے۔ تاریخ گوئی سے واقفیت نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ تاریخ کے غلط اعداد نکال بیٹھیں گے۔ علم صوت اور صوتیات میں امتیاز معلوم نہ ہو تو ایک میدان کی لسانیات دوسرے کے کھاتے میں ڈال دیں گے۔'' [۱۶]

اسی بارے میں جمیل احمد رضوی نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

''محقق کے پاس تاریخی اور عام معلومات کا وافر ذخیرہ ہو۔ اس کے علاوہ دوسرے علوم مثلاً لسانیات، نقشہ کشی، علم مسکوکات، آرٹ، لٹریچر، کتبہ خوانی اور مختلف قدیم اور جدید زبانوں کا بھی علم ہونا چاہیے۔'' [۱۷]

مخطوطہ شناس جتنے زیادہ علوم سے واقف ہوگا، وہ اتنا ہی عمدہ کام پیش کرنے کا اہل ہوگا۔

مخطوطہ شناس کے فرائض میں درست مصادر اور مراجع تک پہنچنا بھی ہوتا ہے۔ مخطوطہ شناس کو اس وقت بہت مشکل پیش آتی ہے جب اس کو دو نسخوں میں سے اصل اور نقل کی پہچان کرنا ہوتی ہے۔ بقول پروفیسر سیدہ جعفر:

''دو مخطوطات کی موجودگی میں صرف ایک نسخے پر اکتفا کرنا ترتیب متن اور اصول تحقیق کی رو سے نامکمل اور تشنہ تدوین ہے۔'' [۱۸]

ان حالات میں مخطوطہ شناس کو پوری کوشش کرنی چاہیے کہ وہ تمام کے تمام مصادر تک پہنچے اور کوئی ماخذ بھی اس کی پہنچ سے باہر نہ ہو۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مخطوطہ شناس کسی نسخے کو اساسی قرار دے کر مرتب کر دیتا ہے اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ اس مخطوطے سے بھی قدیم مخطوطہ کسی اور لائبریری میں موجود ہے۔ اس صورت حال سے بچنے کے لیے مخطوطہ شناس کے لیے لازم ہے کہ وہ تمام ماخذات اور مصادر تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

ایک اچھے مخطوطہ شناس کو استخراج کی اہلیت سے مالا مال ہونا لازم ہے۔ استخراج سے مراد کسی الجھن میں درست فیصلہ تک پہنچنا ہوتا ہے۔ مخطوطہ شناس کو مخطوطہ مرتب کرتے وقت کئی دفعہ مشکل فیصلہ کرنا ہوتے ہیں۔ مخطوطہ کی حالت اور اس کی عبارت میں میل نہیں ہوتا۔ مخطوطہ کی زبان بہت مانوس لگتی ہے اور مخطوطہ کا دور بہت قدیم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ اپنی استخراج کی قوت کو کام میں لاتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مخطوطہ کی اصلیت کیا ہے۔ رشید حسن خان اور امتیاز علی خان عرشی میں استخراج کی قوت بہت زیادہ تھی اور انہوں نے جس مخطوطے کی اصلیت کے بارے میں جو رائے بیان کی ہے وہ بہت کم غلط ثابت ہوئی تھی۔

قیاسی تصحیح تدوینِ متن اور مخطوطہ شناسی کا جزوِ لاینفک ہے۔ یوں تو قیاس کی صلاحیت تحقیق کے ہر شعبے ہر شاخ میں درکار ہوتی ہے تاہم مخطوطہ شناسی میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی تین اہم وجوہات ہیں۔

i. بعض دفعہ دو ایک جیسے مخطوطات مل جاتے ہیں۔ ان کا موازنہ کرنے پر بہت کم فرق دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت میں مخطوطہ شناس اپنی قیاس کی صلاحیت کو بروئے کار لا کر اس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہے کہ کون سا مخطوطہ اساسی ہے اور کون سا ثانوی۔

ii. بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی مخوطہ آب دِیدہ یا کرم خوردہ ملتا ہے۔ اس کے بارے میں یقین سے کچھ بھی کہنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس صورت میں مخطوطہ شناس اپنی قیاسی صلاحیت کو استعمال میں لا کر اس کے عہد اور اس کی اصلیت کی تہہ تک پہنچتا ہے۔

iii. قیاسی تصحیح کرتے وقت تو صلاحیتِ قیاس کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ مخطوطے میں موجود اغلاط کو دور کرنے کے

لیے مخطوطہ شناس قیاس سے کام لیتا ہے اور اس کی تصحیح کرتا ہے۔

اسی وجہ سے ایک اچھے مخطوطہ شناس میں یہ اہلیت ہونی چاہیے کہ وہ متن کی تدوین کرتے وقت قیاسی تصحیح کر سکے اور یہ قیاسی تصحیح منشائے مصنف کے جتنی زیادہ قریب ہوگی تدوین کا کام اتنا ہی معیاری اور اعلیٰ پائے کا تصور کیا جائے گا۔

عقبیات شناسی کی ایک اہم شاخ سِکّوں کی پہچان ہے۔ سِکّے کو ہر دور میں اہمیت حاصل رہی ہے۔ سِکّے ایک خاموش تاریخ ہوتے ہیں۔ اِن کی دھات ، اِن کی لکھائی، ان پر تحریر زبان، ان پر کندہ تصویر، ان کی قدامت ہر چیز میں ایک مکمل تاریخ چھپی ہوئی ہے۔ ایک اچھے مخطوطہ شناس کو سِکّوں کے علم کا ماہر ہونا چاہیے۔ اس صورت میں وہ ان سِکّوں میں چھپی ہوئی تاریخ کو پڑھنے کے قابل ہو سکے گا۔ حافظ محمود شیرانی سکوں کے اس قدر ماہر تھے کہ وہ ہاتھ میں لیتے ہی سِکّے کے بارے میں تفصیل بتا سکتے تھے۔ یہ تجربہ ان کو طویل ریاضت اور مطالعے کے بعد حاصل ہوا تھا۔ اسی وجہ سے ایک اچھے مخطوطہ شناس کو ایک اچھا ماہر عقبیات ہونا چاہیے۔

ہر مخطوطہ زبان اور تلفظ کے اعتبار سے اپنے عہد کی ترجمانی کرتا ہے۔ زبان کے ہر لفظ کا تلفظ ہر دور میں الگ ہوتا ہے۔ بعض دفعہ کسی مخطوطے پر لکھے ہوئے الفاظ تو بالکل وہی ملتے ہیں لیکن ان کا تلفظ اور قرآت بالکل الگ ہوتی ہے۔ کسی مخطوطہ میں 'شیر' کا لفظ لکھا ہوا ملے تو اس کو شِیر یعنی دودھ بھی پڑھا جاسکتا ہے اور شَیر یعنی جنگل کا بادشاہ جانور بھی ۔ ایک مخطوطہ شناس کو تلفظ اور قرآت کا ماہر ہونا چاہیے۔ صرف اسی صورت میں وہ مخطوطے کو اصل صورت میں منشائے مصنف کے مطابق تدوین کرنے کا اہل ہوگا ۔ بصورتِ دیگر وہ اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے گا۔

ایک مخطوطہ شناس کو غیر متعصب ہونا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر محقق کی اپنی پسند اور ناپسند ہوتی ہے۔ وہ کسی بھی شخصیت کو، اس کی تخلیقات کو یا اس کے نظریات کو پسند یا ناپسند کرسکتا ہے۔ جب وہ کسی مخطوطہ کو مدون کرتا ہے تو اس کا واسطہ اسی شخصیت کے نظریات سے پڑتا ہے جو اس کو پسند یا ناپسند ہوسکتے ہیں۔ ان حالات میں مخطوطہ شناس کے کندھوں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ غیر جانبدار اور غیر متعصب ہو کر اپنا کام کرے۔ وہ کسی بھی ذاتی پسند ناپسند کو اپنے کام پر حاوی نہ ہونے دے اور مخطوطے کو پوری غیر جانبداری سے ترتیب دے۔ ایسا کرنے سے اس کے کام کا معیار بھی بڑھے گا اور وہ اپنے کام کو بھی بہتر انداز میں کرنے کے قابل ہوسکے گا۔ کسی متعصب اور جانبدار شخص کی تحقیق کو زیادہ قبولیت حاصل نہیں ہوتی۔

مخطوطہ شناسی کے پس منظر کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی نسخہ سے کئی نسخے تیار کئے جاتے تھے۔ یہ نسخے بعد میں مزید نسخوں کی بنیاد بنتے تھے۔ یوں یہ نسخہ در نسخہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ درجنوں نسخوں کا موجود ہونا بعید از امکان نہیں رہا ہے۔ مخطوطہ شناس جب کسی مخطوطہ کی تدوین کرتا ہے تو اس کو مختلف نسخوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ نسخے ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ ان میں تبدیلیاں ہوسکتی ہیں ۔ یوں مخطوطہ شناس اس مرحلے پر آپہنچتا ہے کہ اس کو مقابلہ اور مسابقہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ کسی بھی مخطوطہ شناس کی ایک اہم خصوصیت ہوتی ہے کہ اس میں مقابلہ و مسابقہ کی قوت موجود ہے۔ وہ اس قابل ہو کہ مختلف ترمیم شدہ نسخوں کا آپس میں موازنہ کرسکے۔ ان میں موجود مشترک اور متضاد عناصر کو ڈھونڈ سکے اور ان کا موازنہ اصل متن کے ساتھ کر کے ایک بہترین متن پڑھنے والوں کے سامنے پیش کر سکے جو مصنف کے متن کے قریب تر ہو۔

قدیم شاعری کی بیاضیں جو مخطوطات کی شکل میں ہوتی ہیں، ان پر کام کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ بعض دفعہ شاعر کا خط بہت شکستہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کئی دفعہ شاعری کے مخطوطہ کے کچھ الفاظ کرم خوردہ یا شکستہ ہوتے ہیں۔ اس صورت میں مخطوطہ شناس کا شاعری اور عروض کے فن سے واقف ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ شاعری اور فن عروض سے

واقف ہوگا تو اس کے لیے بہت آسان ہوگا کہ وہ گمشدہ الفاظ کی قیاسی تصحیح کر سکے اور اگر اس کو گمشدہ الفاظ کی جگہ نئے الفاظ بھی شامل کرنے پڑیں تو وہ عروض کے علم سے واقفیت کی وجہ سے ان الفاظ کا درست انتخاب کر سکے گا۔ یوں تدوین کا عمل بہتر انداز میں مکمل ہوگا۔

مخطوطہ شناسی کا فن بہت نازک اور احتیاط طلب ہے۔ اس کام میں جس محنت کی ضرورت ہوتی ہے وہ محنت کرنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ اردو ادب کی صدیوں پر محیط تاریخ میں ہمیں معدودے چند ہی مخطوطہ شناس افراد دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی وجہ قحط الرجال نہیں ہے۔ آج بھی محنتی اور ذہین افرا دموجود ہیں۔ اگر فقدان ہے تو صرف ان خوبیوں کا جو ایک مخطوطہ شناس کے لیے لازمی ہیں۔ بلاشبہ مخطوطہ شناسی ایک محال اور تکنیکی امر ہے۔ اس کام میں جس نزاکت اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے وہ کسی درسگاہ میں تعلیم حاصل کرنے سے نہیں آتی بلکہ اس کے لیے ایک طویل عرصہ تک محنت کرنا پڑتی ہے اور ایک طویل اور تکلیف دہ عمل سے گزر کر ایک مخطوطہ شناس تیار ہوتا ہے۔ حافظ محمود شیرانی، امتیاز علی خان عرشی اور رشید حسن خان جیسے نابغۂ روزگار مخطوطہ شناس روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ نئے آنے والوں کو ان کے مقام تک پہنچنے میں بہت زیادہ محنت درکار ہے۔

حواشی

۱۔ انجم رحمانی، ڈاکٹر: ''مخطوطات اہمیت ،حصول، تحفظ'' مشمولہ ''فکر ونظر''، اسلام آباد، شعبہ مطبوعات، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، جنوری تا مارچ ۱۹۹۸ء، ص :۳۱

۲۔ شائستہ حمید خان، ڈاکٹر: ''تدوین متن میں مخطوطے کی اہمیت'' مشمولہ ''تدوینی زاویے''، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص : ۱۱۰

۳۔ عبدالحمید خان عباسی، ''اصول تحقیق''، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۳ء، ص: ۶۳

۴۔ رشید حسن خان: ''ادبی تحقیق''، لاہور، الفیصل، مارچ ۱۹۶۷ء، ص: ۶۱

۵۔ شمیم طارق، ڈاکٹر: ''رشید حسن خان بحیثیت محقق ومدون'' مشمولہ ''تحلیقی ادب''، اسلام آباد، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، جون ۲۰۱۱ء، ص : ۶۵

۶۔ سیدہ جعفر، پروفیسر: ''ہندوستانی ادب کے معمار۔ڈاکٹر زور''، نئی دہلی، ساہتیہ اکیڈمی، ۱۹۸۴ء ص ۵۰

۷۔ نذیر احمد، ڈاکٹر: ''تحقیق وتصحیح متن کے مسائل'' مشمولہ ''اردو میں اصولِ تحقیق''، لاہور مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۰۹ء، ص :۳۲۲

۸۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر: ''اصولِ تحقیق وترتیب متن''، لاہور، سنگت پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص :۱۱۲

۹۔ سیدہ جعفر، پروفیسر: ''ہندوستانی ادب کے معمار۔ڈاکٹر زور''، ص: ۵۳

۱۰۔ امتیاز علی خان عرشی، مولانا: (مرتب) ''فرہنگ غالب''، رام پور، طبع اول، ۱۹۴۷ء، ص :۱۰

۱۱۔ نذیر احمد، ڈاکٹر: ''تحقیق وتصحیح متن کے مسائل''، مشمولہ ''اردو میں اصولِ تحقیق''، ص: ۳۲۲

۱۲۔ واصف لطیف: ''مدوّن کے اوصاف''، مشمولہ ''تدوینی زاویے''، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص: ۱۶۹

۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۷۴

۱۴۔ خلیق انجم: ''متنی تنقید''، لاہور، سنگت پبلشرز، ۲۰۰۴ء، ص :۱۵

۱۵۔ گیان چند، ڈاکٹر: ''تحقیق کا فن''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء، ص :۴۰

۱۶۔ عطش درانی، ڈاکٹر: ''جدید رسمیات تحقیق''، لاہور، اردو سائنس بورڈ، طبع اول، ۲۰۰۵ء، ص :۴۷

۱۷۔ جمیل احمد رضوی، سید: ''لائبریری سائنس اور اصول تحقیق''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص :۱۳۸

۱۸۔ سیدہ جعفر، پروفیسر: ''ہندوستانی ادب کے معمار۔ڈاکٹر زور''، ص :۹۴